پرچہ I: (انشائیہ طرز)	انٹر (پارٹ-1)	اردو (لازمی)
کل نمبر: 80	2017ء (دوسرا گروپ)	وقت: 2.40 گھنٹے

(حصہ اوّل)

سوال 2- (الف) درج ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔ نظم کا عنوان اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے: (8,1,1)

اشکوں سے ترے دین کی کھیتی ہوئی سیراب　　فاقوں نے ترے دہر کو بخشا سروساماں
انسان کو شائستہ و خوددار بنایا　　تہذیب و تمدن ترے شرمندۂ احساں

جواب: حوالۂ متن:

نظم کا عنوان: نعت　　شاعر کا نام: ماہر القادری

تشریح:

نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کے اُمت پر بے پناہ احسانات ہیں۔ شاعر ماہر القادری اُن احسانات پر نبی کریم ﷺ کو سلام پیش کر رہے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دین کو قائم اور سر بلند کرنے کے لیے اپنی تمام صلاحیتیں صَرف کر دیں۔ نبی کریم ﷺ اُمت کے لیے پریشان رہتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں گناہ گاروں کو گناہ کرتے دیکھ کر رنجیدہ ہوتے اور بارگاہِ الٰہی میں اشک بار ہو کر اُمت کے لیے معافی اور بخشش کی دعا کرتے۔ آپ ﷺ نے زمانے کی اصلاح نہ صرف تبلیغ کے ذریعے کی، بلکہ خود عملی نمونہ بن کر ان کو دین کے راستے پر لگایا۔ لوگوں کو اخوت، بھائی چارے اور مساوات کا سبق دیا۔ آپ ﷺ کی اسوۂ حسنہ نے تمام انسانیت کو محبت، نیکی اور عمل کی دولت سے روشناس کروایا۔

شاعر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کا بنی نوع انسان پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسان کو حقیقی معنوں میں انسان بنایا۔ سرورِ کائنات ﷺ کی آمد سے قبل انسان جہالت کی گہرائیوں میں دب چکا تھا۔ سیّد الانبیاء ﷺ نے انسان کو ان تاریکیوں سے باہر نکال کر حقیقی اخلاقِ فاضلہ سے روشناس کروایا۔ آپ ﷺ کی آمد سے جہالت کے اندھیرے چھٹ گئے اور انسانیت کو تہذیب اور

شائستگی کی روشنی ملی۔ مسلمان غیرت مند اور خود دار بن گئے۔ انھیں حق و باطل میں فرق سمجھ آ گیا۔ شاعر کہتے ہیں کہ نسلِ انسانی ہی نہیں، بلکہ خود تہذیب و تمدن نبی اکرم ﷺ کے احسان مند ہیں کہ انسان کو کائنات کے رازوں سے آگہی ان کے باعث ملی اور یہ علم و دانش دینے والے صرف آپ ﷺ ہیں، جن کی مسلسل محنت و تربیت کے فیض سے ایک عظیم الشان انقلاب رونما ہوا۔ اسی لیے آپ ﷺ نے جو اسوۂ حسنہ پیش کیا، اس پر خود تہذیب و تمدن آپ ﷺ کے شکر گزار ہیں۔

(ب) درجِ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے اور شاعر کا نام بھی تحریر کیجیے: (9,1)

جان آخر تو جانے والی تھی	اس پہ کی ہوتی، مَیں فدا رے کاش!
اس میں راہِ سخن نکلتی تھی	شعر ہوتا ترا شعار اے کاش!
کشش جرأت اب تو تنگ ہے ہم پر	اس سے ہوتے نہ ہم، دو چار اے کاش!

جواب: شاعر کا نام: میر تقی میر

شعر نمبر-1

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے انسان کو دنیا کی سب سے بڑی، اٹل حقیقت، موت کی یاد دلائی ہے۔ وہ کہتا ہے یہ جان تو ایک دن ختم ہونے والی ہے اسے دوام حاصل نہیں۔ اس یقین کے ہوتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا کتنی بڑی بدبختی ہے۔ شاعر کہتا ہے کاش وہ شہادت کی موت کی اہمیت و حقیقت کا ادراک کرتا اور اس پر جان نثار کرتا۔ کیوں میرے جسم کو جان اللہ نے بخشی تھی۔ اسی رب نے مجھے ایک روز یہاں سے واپس بلا لینا ہے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ میں دنیا کے فانی حسن پر فدا ہو کر طرح طرح کے دکھ سہنے کے بجائے حقیقی مالک کے حسنِ حقیقی سے دل لگاتا، اس کے احکامات بجا لاتا اور اس کے نام پر جان قربان کر دیتا۔ مگر افسوس ایسا نہ ہوا۔ کتنا اچھا ہوتا اگر میں اپنی جان کو اس اللہ پر نثار کرتا جس نے ہمیں یہ جان بخشی ہے۔ عشقِ مجازی میں اس بیش قیمت متاع کو قربان کر دینا دانش مندی نہیں، بلکہ سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ انسان کی سرخروئی اسی میں ہے کہ وہ اپنی جان مالکِ حقیقی کی راہ میں قربان کر دے۔ اس شعر کا مرجع دنیاوی محبوب بھی ہو سکتا ہے۔ ہر عاشق محبوب پر جان دے دینے کا دعویٰ اور اعلان کرتا ہے۔ دنیا ایسی مثالوں سے خالی نہیں، لیکن شعر کا اصل مرجع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔

اس سے شعر کے معنی میں جو رفعت، علو، بلندی اور گہرائی پیدا ہوئی ہے وہ دنیاوی محبوب کو مخاطب ماننے میں نہیں ہو سکتی۔

شعر نمبر-2

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے محبوب میں ذوقِ شعری نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر محبوب میں شعری ذوق ہوتا تو اس صورت میں ہماری محبوب کے ساتھ بات چیت ہو سکتی تھی۔ شاعر محبوب سے مخاطب ہو کر کہ رہا ہے اے محبوب! کاش تجھے شعر و سخن سے شغف ہوتا تو ہماری تمھارے ساتھ اس بہانے بات چیت ہو سکتی تھی۔ یہ فطرت کا دستور ہے کہ لوگ اپنے ہم مشرب اور ہم پیشہ لوگوں کی عزت کرتے ہیں، ان کی بات بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور غمی خوشی میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ شاعر بھی یہی خیال کرتا ہے۔ اس کے محبوب میں اگر شعر گوئی کا کوئی ذوق ہوتا تو یہ ذوق اس سے ملاقات کا سبب ہو سکتا تھا۔

شعر نمبر-3

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے عشق و محبت اختیار کرنے کی وجہ سے حالات کے انتہائی کٹھن ہو جانے کا مضمون انوکھے انداز میں باندھا ہے۔ شاعر عشق و محبت اور دیگر ناکامیوں کی وجہ سے رسوا ہو چکا ہے۔ اس پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا ہے۔ اسی صورتِ حال پر شاعر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہ رہا ہے اب میرے لیے جینا مشکل ہو چکا ہے۔ شاعر دراصل یہ بتانا چاہتا ہے جب تک اس نے عشق کی وادی میں قدم نہیں رکھا تھا تو زندگی پُر سکون تھی، مگر عشق کے کوچے میں داخل ہوتے ہی گوناں گوں مصائب میری جان کے دشمن بن گئے ہیں۔ ان مصائب سے گھبرا کر شاعر کہتا ہے کہ مجھ پر یہ مصیبت اور پریشانی میرے محبوب کی وجہ سے آئی ہے۔ کاش نہ مجھے اس سے واسطہ پڑتا اور نہ میری زندگی سراپا فریاد بنتی۔

(حصہ دوم)

سوال :3- سیاق و سباق کے حوالے سے کسی ایک جزو کی تشریح کیجیے۔ معنف کا نام اور سبق کا عنوان بھی لکھیے: **(10,3,1,1)**

(الف) ''مطالعہ کی عادت ابتدا سے ان کی رفیقِ کار رہی۔ سرسید کا مطالعہ نہ صرف دل بہلانے یا عبارت کا لطف اُٹھانے کے لیے ہوتا تھا اور نہ کتاب دانی کی غرض سے جیسا کہ مدرس اور طلبہ کتاب کے ایک ایک لفظ اور جملے اور تراکیب پر غائرنظر کرتے ہیں بلکہ ان کا مطلب صرف مصنف کے خیالات سے اطلاع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ جو بات کتاب میں ان کے کام کی ہوتی تھی اس پر پنسل سے نشان کردیتے تھے اور اگر کوئی مضمون کسی اخبار میں کام کا ہوتا تھا اس ورق کو الگ کر کے اپنے اخبار کی فائل میں جو ہر وقت سامنے رکھا رہتا تھا چسپاں کردیتے تھے۔''

جواب: حوالۂ متن:

سبق کا عنوان: سرسید کے اخلاق وخصائل   مصنف کا نام: الطاف حسین حالی

سیاق وسباق:

اس سبق میں سرسید احمد خاں کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ سرسید احمد خاں بہت ہی مہمان نواز تھے۔ فواکہ میں آم اور خربوزے بہت مرغوب تھے۔ ہنسی مذاق فطرت میں شامل تھی۔ تحریر وتقریر میں کوئی لطیفہ یاد آجاتا' چاہے کتنا ہی شرم وحیا والا ہو' آپ اسے بڑے ہی مہذب انداز سے بیان کردیتے۔ محنت اور جفاکشی کا مادہ سرسید احمد کی طبیعت میں شروع سے ہی تھا۔ اپنے ہمعصروں سے زیادہ ذہین تو نہ تھے' مگر غوروفکر کی عادت نے ذہنی اور فکری صلاحیتوں میں اضافہ کردیا تھا۔ خود بھی راست باز تھے اور راست باز لوگوں کی قدر کرتے تھے۔ اردو ادب میں کسی خوف اور لعنت ملامت کی پرواہ کیے بغیر کھری اور سچی بات کہتے تھے۔

درجِ ذیل پیراگراف کہانی کے شروع سے لیا گیا ہے۔ اس میں سرسید احمد خاں کی مطالعہ کرنے کی عادت کو بیان کیا گیا ہے۔

تشریح:

سرسید کو ابتدا ہی سے مطالعہ کی عادت تھی۔ وہ دل بہلانے یا عبارت کا لطف اٹھانے یا طالب علم کی طرح ایک ایک لفظ' جملے یا تراکیب کو سمجھنے کی بجائے کتاب کے مصنف کے خیالات سے آگاہی کے لیے مطالعہ کرتے تھے۔ کتاب سے کوئی چیز پسند آتی تو اہم نکات کے نیچے پنسل سے خط کھینچ دیتے تھے۔ اسی طرح اخبار سے اگر کوئی مطلب کی چیز ملتی تو تراشا بنا کر اپنی فائل میں رکھ لیتے تھے۔ اسی

لیے وہ ہر موضوع پر سیر حاصل مضامین لکھ لیتے تھے۔

(ب) "نوجوان نے شام سے اب تک اپنی سیر گشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھی تھیں ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا تھا۔ فی الحقیقت ان میں کوئی جاذبیت تھی ہی نہیں یا پھر وہ اپنے حال میں ایسا مست تھا کہ کسی دوسرے سے اسے سروکار ہی نہ تھا مگر ابھی اس نے آدھی ہی سڑک پار کی ہوگی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری پیچھے سے بگولے کی طرح آئی اور اسے روندتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔"

جواب: حوالہ متن:

سبق کا عنوان: اوورکوٹ مصنف کا نام: غلام عباس

سیاق و سباق:

اوورکوٹ میں ملبوس نوجوان مال روڈ پر چہل قدمی کرتے ہوئے چیئرنگ کراس پر رکا اور سیمنٹ کے ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر تک وہاں کے منظر کو دیکھ کر اس نے ہائیکورٹ کی طرف سفر شروع کیا۔ گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی، لوگ سیر گشت میں مصروف تھے۔ جنوری کی اس سرد شام نے ماحول کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ اس نے انگریزی موسیقی کی ایک دکان میں داخل ہو کر مختلف سازوں کو دیکھا اور گراموفون ریکارڈوں کی فہرست لی۔ آگے ایک بک سٹال تھا۔ یہاں اس نے رسالوں کی ورق گردانی کی۔ پھر قالینوں کے شوروم میں تھوڑی دیر کو رکا، ایک ایرانی قالین کی قیمت دریافت کی اور باہر نکل آیا۔ ہائی کورٹ کی طویل و عریض عمارات کے سامنے سے گزرتے ہوئے اسے اچانک اکیلے پن کا احساس ہوا، کیونکہ کاروباری علاقہ پیچھے رہ گیا تھا۔ یہاں لوگ بھی کم نظر آرہے تھے۔ اس نے اس سناٹے میں خود کو زندگی کی حرارت بخشنے کے لیے چھڑی کو گھمایا، لیکن وہ گر پڑی۔ اس نے جھک کر اسے اٹھایا اور دوبارہ چل پڑا۔

تشریح:

ہائی کورٹ کے علاقے میں اسے نئے چہرے نظر نہیں آرہے تھے، اس لیے اسے شام سے لے کر اب تک کی دیکھی ہوئی شکلیں یاد آنے لگیں۔ فراغت کے لمحوں میں یاد کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سیکڑوں چہرے ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں پر عکس ڈالنے لگے، مگر افسوس کہ کوئی بھی اس کے

دل کے تاروں کو نہ چھیڑ پایا۔ یہ کیفیت تو تب پیدا ہوتی ہے جب کسی شخصیت میں دلکشی ہو اسے دیکھ کر انسان کا بے خود ہونا لازم آتا ہے۔ تفکرات سے آزادی بھی کسی سے متاثر ہونے کے لیے ضروری ہے؛ یہاں دونوں وجوہ موجود تھیں، مگر کوئی حسین چہرہ چاند بن کر طلوع نہیں ہوا تھا' جو اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے۔ وہ اپنے آپ میں ذاتی تفکرات کے باعث اس قدر کھویا رہا کہ اسے کسی دوسرے فرد میں دلچسپی ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔

چلتے چلتے یہ نوجوان جی پی او کے چوراہے تک آن پہنچا۔ رات کی تاریکی دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی اور جنوری کی سردی میں لحظہ بہ لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ اس جگہ آنے جانے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس کے دل میں مال روڈ پار کرنے کی خواہش پیدا ہوئی' لیکن ابھی اس نے آدھی سڑک عبور کی تھی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری نے اسے کچل دیا۔ رات کی تاریکی کے باعث لاری کا نمبر پڑھنا ممکن نہ تھا' اس لیے لوگ چیختے چلاتے رہ گئے اور ڈرائیور لاری لے کر غائب ہو گیا۔

سوال :4- کسی ایک نصابی سبق کا خلاصہ لکھیے اور مصنف کا نام بھی لکھیے۔ **(9,1)**

(الف) ادیب کی عزت (ب) اور آنا گھر میں مرغیوں کا

جواب :

(الف) ادیب کی عزت

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2016ء (پہلا گروپ) 'سوال نمبر 4 (الف)۔

(ب) اور آنا گھر میں مرغیوں کا

جواب کے لیے دیکھیے پرچہ 2015ء (دوسرا گروپ)' سوال نمبر 4 (ب)۔

سوال :5- دلاور فگار کی نظم "لوکل بس" کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ **(5)**

جواب : خلاصہ:

لوکل بس کے اندر کوئی اس انداز سے جھول رہا تھا جیسے کسی نے کوئی ہار لٹکا دیا ہو۔ اور کوئی دیوار کے سائے کی طرح بس کے ایک طرف چپکا ہوا تھا۔ کوئی ایسے آیا ہوا تھا جیسے اس سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہو۔ بس کے اس ہجوم میں اگر کسی کے جوتے کا ایک پاؤں گم ہو گیا تھا تو کسی کا جوتا سستی سی

کھڑاؤں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ گاڑی کے اندر مسافروں نے شور مچار کھا تھا۔ ہر کوئی اپنی اپنی ہانکے جا رہا تھا۔ کوئی کنڈکٹر سے بس چلانے کا کہہ رہا تھا' کوئی لڑنے کی دھمکی دے کر اسے باہر للکار رہا تھا۔ کوئی اسے پیسوں کا لالچ دے رہا تھا تو کوئی بددعا کے ساتھ اس سے بس چلانے کی استدعا کر رہا تھا۔ ایسے میں کنڈکٹر بھی اَڑ جاتا ہے اور بس چلانے سے یکسر انکار کر دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں نے بس میں سوار ہونے کی کسی کو دعوت تو نہیں دی۔ اب جو بس میں آ گیا ہے وہ اپنی مرضی سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اگر کوئی زیادہ نازک بدن ہے تو اس نے سستی گاڑی کا انتخاب کر کے پیسوں کی بچت ہی کیوں کی ہے۔ اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میں روز روز کی اس کنڈکٹری سے اُکتا چکا ہوں۔ اب میں نے کسی سے نہ ڈرنے کا عہد کر لیا ہے۔

سوال :6- دو طالب علموں کے درمیان جہیز کے بارے میں مکالمہ تحریر کیجیے۔ (10)

جواب : (دو طالب علموں کے درمیان جہیز کے بارے میں مکالمہ)

جہانگیر: آپ کی جہیز سے متعلق کیا رائے ہے؟

نواز: آپ کس مفہوم میں میری رائے جاننا چاہ رہے ہو؟

جہانگیر: بات تو سیدھی ہے۔ آیا یہ ایک نعمت ہے یا لعنت!

نواز: درحقیقت یہ تھی تو ایک نعمت' لیکن ہمارے معاشرے میں یہ ایک لعنت بن چکی ہے۔

جہانگیر: مجھے آپ کی بات کی ٹھیک طرح سے سمجھ نہیں آئی۔

نواز: میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اس رسم کا آغاز ہوا تھا تو اس کا مقصد صرف اور صرف نئے شادی شدہ جوڑے کی مدد کرنا ہوتا تھا۔

جہانگیر: کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس کا آغاز کب ہوا تھا؟

نواز: میں اس بارے میں بہت واضح تو نہیں۔ ہاں البتہ مجھے اتنا ضرور معلوم ہے کہ یہ رسم ہمارے نبی پاک ﷺ کے دورِ مبارکہ میں موجود تھی۔

جہانگیر: پھر تو یہ اچھی چیز ہونی چاہیے۔

نواز: یہ ایک اچھی روایت تھی' بلکہ ہے۔

جہانگیر: تو پھر اس میں برائی کیا ہے؟

نواز: اس کا نقص وہ طریقہ کار ہے جس کو ہم آج کے دور میں اپنا رہے ہیں۔

جہانگیر: آپ کو نہیں لگتا کہ روایتیں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

نواز: وہ تو ٹھیک ہے لیکن ان چیزوں میں ایسی تبدیلی مثبت ہونی چاہیے۔

جہانگیر: تبدیلی تو آخر تبدیلی ہوتی ہے خواہ یہ مثبت ہو یا منفی۔

نواز: آپ مجھے بتاؤ کہ لوگ جہیز کو کیوں ایک لعنت بولتے ہیں؟

جہانگیر: شاید میرے نزدیک یہ روایت یا رسم اپنی اصل روح کو کھو چکی ہے۔

نواز: وہ کیسے؟

جہانگیر: وہ ایسے کہ جس مقصد کے لیے اس رسم کو شروع کیا گیا تھا وہ مقصد تو بیچ میں سے نکل چکا ہے۔

نواز: ہاں یہ تو آپ نے بڑے پتے کی بات کی ہے۔

جہانگیر: ہم اکثر اس رسم کو لعنت ہی کہتے ہیں، لیکن جب عملی طور پر باری آتی ہے تو لڑکی والوں سے اس کے نام سے ایسے مطالبات کیے جاتے ہیں کہ وہ ان مطالبات کا سن کر پریشان ہو جاتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ کسی کو بیٹی نہ دینا اور اگر دینا تو پھر اُس کو دنیاوی وسائل سے بھی اس قدر مالا مال کرنا کہ جب وہ اپنی بیٹی کو بیاہنے لگے تو اس کو کسی رسم کی کوئی فکر نہ ہو۔

نواز: امین! یہ واقعی معاشرے کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔

جہانگیر: اس سے مراد کہ ہم دوہرا معیار رکھتے ہیں۔

نواز: دہرا بھی نہیں، بلکہ تہرا۔

جہانگیر: ہم لوگ کیوں اس پر اس قدر پیسوں کو خرچ کرتے ہیں؟

نواز: ظاہری سی بات ہے دکھاوا کرنے کے لیے۔

جہانگیر: کیا یہ غریبوں کے ساتھ ناانصافی نہیں؟

نواز: ہاں یہ تو بڑی سنگین قسم کی ناانصافی ہے۔

جہانگیر: جب میں شادی کروں گا تو میں جہیز کا ہرگز ہرگز مطالبہ نہیں کروں گا۔

نواز: اور میں بھی جہیز کو قبول نہیں کروں۔

(یا) سیرت النبی ﷺ کی تقریب کی رُوداد قلمبند کیجیے۔

جواب: کالج میں جلسہ سیرت النبی ﷺ کی رُوداد

ہمارے کالج کی "مجلس علومِ اسلامیہ" کے زیرِ اہتمام حسبِ سابق اس سال بھی سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر ایک باوقار تقریب منعقد ہوئی۔ یہ تقریب ربیع الاول کے بابرکت مہینے کی بارہویں تاریخ کو منعقد ہوتی ہے۔ کالج میں ہونے والی دوسری تمام تقریبات سے یہ تقریب اس لیے منفرد مقام رکھتی ہے کہ یہ اس ذاتِ پاک ﷺ کے حوالے سے ہوتی ہے، جن کا وجود وجہ کائنات ہے اور جو اس کائنات کی سب سے معزز، محترم اور بلند ترین ہستی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور آپ ﷺ کے ذکر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلند فرما دیا۔

مجلس علومِ اسلامیہ نے ربیع الاول کا مہینہ شروع ہوتے ہی اس تقریبِ سعید کو پُروقار طریقے سے منانے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ کالج ہال کو رنگ برنگی جھنڈیوں سے سجایا گیا۔ مختلف بینرز، جن پر نعتیہ اشعار درج تھے، لگائے گئے۔ سٹیج کی بڑے خوبصورت انداز میں تزئین و آرائش کی گئی۔ 12 ربیع الاول کو تین بجے سہ پہر تمام طالب علم کالج ہال میں جمع ہو گئے۔ محفل کے تقدس اور پاکیزگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے محفل میں شریک ہر طالب علم مجسم عقیدت بنا ہوا تھا۔ عرق گلاب کے چھڑکاؤ اور اگر بتیوں کی خوشبو سے ماحول پر ایک تقدس طاری تھا۔ ساڑھے تین بجے پرنسپل صاحب، شعبہ علومِ اسلامیہ کے چیئرمین اور دوسرے اساتذہ کے ساتھ تشریف لائے۔ تمام اساتذہ کرام شلوار قمیص میں ملبوس تھے اور سٹیج پر ان کے بیٹھنے کے لیے فرشی نشستوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ سٹیج سیکرٹری نے تقریب کے آغاز کا باقاعدہ اعلان کیا۔ کالج کے ہونہار طالب علم قاری غلام رسول نے اپنی پرسوز آواز میں مصری لہجے میں یوں قرأت پیش کی کہ سامعین کے دل کی گہرائیوں تک اتر گئی۔ سارا ہال سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ قرأت کے اختتام پر سب حاضرین نے بے اختیار سبحان اللہ اور جزاک اللہ کے نعرہ ہائے تحسین بلند کیے۔ اس کے بعد نعت شریف کے لیے سال دوم کے دو جڑواں بھائیوں عاکف اور ثاقب کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ یہ دونوں بھائی اپنی خوبصورت آواز میں نعت خوانی

کے لیے کالج ہی نہیں، بلکہ شہر بھر میں شہرت رکھتے ہیں۔ دونوں نے علامہ اقبال مرحوم کی نعت "لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب" عقیدت اور محبت میں اس طرح ڈوب کر پڑھی کہ ایک سماں بندھ گیا۔ جب وہ نعت کے اس شعر پر پہنچے کہ:

شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

تو تمام سامعین وجد کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حضور اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں باآواز بلند درود پیش کرنے لگے۔ ایسے میں کچھ طلبہ نے حاضرین پر عقیدت سے پھولوں کی پتیاں برسائیں، جس سے محفل میں ایک عجیب سے جوش وجذبے کی کیفیت طاری ہوگئی۔

اس کے بعد پروفیسر حافظ عبدالرسول صاحب نے "رحمتِ عالم" کے عنوان سے حضور اکرم ﷺ کی شفقت، رحمت، محبت اور ایثار ووفا پر ایک بھرپور مقالہ پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی شفقت اور رحمت کا یہ عالم تھا کہ طائف کے ناعاقبت اندیش لوگوں نے پتھر مار مار کر جب آپ ﷺ کو لہولہان کردیا تو آپ ﷺ نے پھر بھی ان کے لیے بددعا نہ فرمائی یہاں تک کہ اپنے جانی دشمنوں تک کو معاف کردیا اور کسی سے بدلہ نہ لیا۔ پروفیسر صاحب نے آپ ﷺ کے اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ آپ ﷺ ایک ایسے معلمِ اخلاق تھے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ "آپ ﷺ کی زندگی قرآنِ پاک کی عملی تفسیر ہے۔" پروفیسر صاحب نے بتایا کہ اچھی زندگی کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ جو خوبیاں انسان دوسروں میں پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ تمام تر خود اس کی اپنی زندگی میں پائی جائیں۔ حضورِ اکرم ﷺ کی زندگی دنیا کے تمام انسانوں کے لیے حسین ترین نمونہ ہے۔

آخر میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے چیئرمین پروفیسر عبدالستار شاکر صاحب نے حضورِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ انسانی زندگی کا کوئی احسن پہلو ایسا نہیں ہے جس میں آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات حرفِ آخر نہ ہو۔ عزم واستقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا، قربانی، قناعت، ایثار، سخاوت، خاکساری غرضیکہ تمام اخلاقی پہلوؤں کے لیے، جو مختلف انسانوں کو مختلف

حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں، ہمیں عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے اور یہ صرف پیغمبرِ اسلام ﷺ کی زندگی میں مل سکتی ہیں۔

پروفیسر عبدالستار شاکر کے بعد سٹیج سیکرٹری نے پرنسپل صاحب کو مائیک دیا۔ انھوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور آج کا مقدس دن ہم صرف یادگار کے طور پر ہی نہ منایا کریں، بلکہ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنا کر اس پر چلنے کی کوشش کریں۔ آخر میں آپ ﷺ کی ذات پر سب حاضرین نے مل کر درود و سلام بھیجا۔ درود و سلام کے بعد تمام حاضرینِ محفل میں شیرینی تقسیم کی گئی اور یوں یہ مبارک محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔

سوال 7:- کالج کے پرنسپل کے نام فیس معافی کی درخواست تحریر کیجیے۔ **(10)**

جواب: بخدمت جناب پرنسپل صاحب، گورنمنٹ کالج چونیاں، ضلع قصور۔

عنوان: درخواست برائے فیس معافی

جنابِ عالی!

بصد ادب و احترام گزارش ہے کہ میں نے اس سال آپ کے زیرِ سایہ ایف ایس سی پارٹ I میں داخلہ لیا ہے۔ میٹرک میں میری فرسٹ ڈویژن تھی اور اپنے سکول میں میری دوسری پوزیشن تھی۔ یہاں کالج میں بھی میں نے گذشتہ دسمبر ٹیسٹ میں ہر مضمون میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی ہے اور میرے تمام اساتذہ کرام میری تعلیمی کارکردگی کے بارے میں نہایت اچھی رائے رکھتے ہیں۔

جنابِ عالی! میں ایک محنت کش باپ کا بیٹا ہوں۔ میرے والد محلے میں ایک چھوٹی سے دکان چلاتے ہیں۔ ہم چھے بہن بھائی ہیں جو مختلف جماعتوں میں زیرِ تعلیم ہیں۔ میرے والد ہم سب بہن بھائیوں کے تعلیمی اور دوسرے اخراجات بڑی مشکل سے پورے کرتے ہیں۔ گذشتہ تین چار ماہ سے ہمارے مالی حالات ناقابلِ بیان حد تک خراب ہو چکے ہیں۔ میری والدہ شدید بیمار ہیں۔ ہر ماہ اچھی خاصی رقم ان کے علاج معالجے پر خرچ ہو جاتی ہے اور یوں ہم نہایت کسمپرسی کے عالم میں وقت گزار رہے ہیں۔

جنابِ عالی! مجھے پڑھنے کا بے حد شوق ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ ان مشکل حالات میں میرے

گھر والے میرے تعلیمی سلسلے کو ختم کرنے کے بارے میں نہ سوچنے لگیں۔ اگر ایسا ہوا تو مجھے اس کا بے حد افسوس ہوگا۔ ان حالات میں آپ سے التماس ہے کہ ازراہِ غریب پروری مجھے پوری فیس معافی کی سہولت سے نوازا جائے تاکہ میں اپنی پڑھائی کے شوق کو پورا کر سکوں۔

مجھے امید ہے کہ آپ میری ان گزارشات پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔ شکریہ

عرضی گزار

الف۔ب۔ج

مورخہ 16 اکتوبر 2017ء رول نمبر 17، ایف ایس سی (نان میڈیکل)

سوال 8- درج ذیل عبارت کی تلخیص کیجیے اور مناسب عنوان بھی تحریر کیجیے: **(8,2)**

لوگ وقت کی قدر و قیمت نہیں پہچانتے۔ انھیں اندازہ ہی نہیں کہ انسان کے ہاتھ میں اصل دولت وقت ہی ہے۔ جس نے وقت کو ضائع کر دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔ قدرت نے انسان کے ہر لمحۂ زندگی کے ساتھ ایک اہم فرض باندھ رکھا ہے جس کی ادائیگی میں اس کی زندگی کی ساری عظمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر وہ اپنی زندگی کے کسی لمحے میں فرض کو پہچاننے یا ادا کرنے میں کوتاہی کر جائے جو اسی لمحے کے لیے مخصوص ہے تو اس فرض کا وقت زندگی میں کبھی نہیں آتا کیوں کہ اس کے بعد اس کی زندگی کے جو لمحات بھی میسر آتے ہیں وہ اپنے فرائض اور ذمے داریاں ساتھ لاتے ہیں۔ اس لیے جو فرض رہ گیا سو رہ گیا۔ اگر اس فرض کو اس کے اصلی وقت کے بعد پورا کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ بغیر اس کے ممکن نہیں کہ اس کے مساوی یا اس سے بھی زیادہ کسی دوسرے اہم فرض کو اس کی خاطر نظر انداز کیا جائے۔

جواب: عنوان: وقت کی قدر و قیمت

تلخیص:

لوگوں کو اندازہ ہی نہیں کہ انسان کی اصل دولت وقت ہے۔ قدرت نے انسانی زندگی کے ہر لمحہ کے ساتھ ایک فرض وابستہ کر رکھا ہے، جو وقت پر ادا نہ ہو تو پھر کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کی ساری عظمتیں فرائض کی بروقت ادائیگی میں پوشیدہ ہیں۔